A Comparative Study of the Viewpoints of the Jurists and Commentators of the Qur'ān Regarding *Muḥkam and Mutashābih*

Ihsanullah Chishti[❁]
Naveed Altaf Khan[❁]

ABSTRACT

Interpretation of legal texts is a technical task, particularly when the texts of the Holy Qur'ān and Prophetic traditions are involved. Therefore, Muslim jurists have devised principles of interpretation of the text which deal with different aspects of a word and sentence and their context. Since the commentators of the Qur'ān also interpret its text, there are some terminologies that are common to the Qur'ān commentators and the jurists. Two such terminologies are *Muḥkam* and *Mutashābih*. This article attempts to elaborate the use of these terminologies by the commentators of the Qur'ān

---

❁ Lecturer, Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad. (ihsanullah.chishti@iiu.edu.pk)

❁ Lecturer, Da'wah Academy, International Islamic University, Islamabad. (dnaveedaltaf@gmail.com)

and the jurists by highlighting the commonalities and differences in their understanding of the terms.

محکم اور متشابہ — اصولیین اور مفسرین کا نقطۂ نظر: ایک تقابلی مطالعہ

احسان اللہ چشتی ۞

نوید الطاف خان ۞

مقدمہ

اللہ تعالیٰ نے قیامت تک انسانیت کے لیے اپنے کلام کو کتابی شکل میں محفوظ فرمایا۔ جس طرح قرآن کریم کی لفظی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہوا ہے اسی طرح اس کی معنوی حفاظت کا ذمہ بھی خود ہی لیا ہے، گویا کہ قیامت تک کی انسانیت کے لیے قرآن اسی طرح محفوظ ہے جس طرح نازل ہوا تھا، اور اسی طرح قیامت تک کے لیے اس کو سمجھنے والے اور اس کو سمجھنے کے ذرائع بھی محفوظ رہیں گے؛ تاکہ انسان اس کے ازلی اور دائمی رہ نما اصولوں سے مستفید ہو کر دین و دنیا کی بھلائیاں سمیٹے اور نافرمانوں پر حجت پوری ہو جائے۔ یہ مطلب ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد مبارک کا کہ: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ﴾[1] (حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ یعنی اس کی بعض آیات محکمات ہیں اور بعض متشابہات۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿هُوَ الَّذِیٓ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتٰبِ وَأُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِی قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشٰبَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهٗٓ إِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُونَ فِی الْعِلْمِ يَقُولُونَ اٰمَنَّا بِهِ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبٰبِ﴾[2]

(اے رسول) وہی اللہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں جن پر کتاب کی اصل بنیاد ہے اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔ اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں

۞ لیکچرر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔(ihsanullah.chishti@iiu.edu.pk)

۞ لیکچرر، دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔(dnaveedaltaf@gmail.com)

۱۔ القرآن،۱۵: ۹۔

۲۔ القرآن،۳: ۷۔

تا کہ فتنہ پیدا کریں اور ان آیتوں کی تاویلات تلاش کریں، حالاں کہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ: ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے) سب کچھ ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے، اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔[۳]

اسی بنیاد پر محکم اور متشابہ کے حوالے سے اصولِ فقہ اور اصولِ تفسیر میں سیر حاصل بحثیں مذکور ہیں۔ اس مقالے میں محکم اور متشابہ کی اصولیین فقہا[۴] اور مفسرین حضرات کی اپنائی ہوئی تعریفات اور اس کے بعد قرآن کی اس تقسیم کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے متشابہ اور محکم آیات کا اصولی احصا، اس کی حکمت اور دونوں کے محل استعمال سے بحث کی جائے گی۔ اس کے علاوہ محکم اور متشابہ کو فنی طور پر اصول فقہ کے دونوں مکاتب فکر یعنی منہج فقہا اور منہج متکلمین کو مد نظر رکھ کر مفسرین اصولیین کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا جائے گا۔

نصوص شرعیہ کی تعبیر وتشریح کے قواعد

نصوص شرعیہ کی تعبیر اور توضیح کے قواعد اور ضوابط کے حوالے سے اصول فقہ کے دو بنیادی مکاتب فکر، متکلمین اور فقہا، کے مابین باعتبار تقسیمات اختلاف پایا جاتا ہے جس کی وضاحت ذیل میں کی جارہی ہے:

منہج فقہا

اصولیین میں سے منہج فقہا کے قائلین حضرات نے نصوص شرعیہ کے الفاظ کی وضوح اور خفا کے اعتبار سے جو تعبیر وتشریح کی ہے اس کا حاصل یہ ہے:

۳۔ مقالے میں تمام آیات قرآنی کے تراجم مفتی تقی عثمانی کے **آسان ترجمہ قرآن** سے لیے گئے ہیں۔

۴۔ اصول فقہ سے وابستہ علما حضرات کو اصطلاحی طور پر اصولیین کہا جاتا ہے۔ یہ اصولیین مزید دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں، ایک طرف وہ حضرات ہیں جن کا تعلق فقہاے احناف کے وضع کردہ اصولی مکتب فکر سے ہے اصطلاح میں انھیں اصولیین فقہا کہا جاتا ہے۔ جب کہ دوسری طرف جن اصولیین کا تعلق دیگر فقہا کے وضع کردہ اصولی دبستان سے ہے انھیں متکلمین اصولیین کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان دونوں اصولی مدارس میں منہج کا فرق پایا جاتا ہے۔ جہاں تک متکلمین کے منہج کا تعلق ہے تو وہ نظری طور پر قواعد اور اصول کو وضع کر کے اس کی بنیاد پر اجتہاد اور استنباط احکام ہے، اس منہج کی نمائندہ کتابوں میں **الأحكام للآمدي، المستصفى للغزالي، المنهاج للبيضاوي** وغیرہ ہیں۔ جب کہ فقہا کا منہج اپنے ائمہ کے فروعات کو مد نظر رکھ کر اصول وضع کرنے کا ہے جو خالص عملی تطبیق ہے، اس منہج کی نمائندہ کتب میں سے **أصول أبوزيد الدبوسي، أصول فخر الإسلام البزدوي، أصول السرخسي، المنار للنسفي** وغیرہ ہیں۔ اس مقالے میں ان دونوں مکاتب فکر کے علاوہ اصولیین مفسرین کے موقف کو محکم ومتشابہ کی بابت تقابلی طور پر پیش کیا گیا ہے۔

وضوح معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اگر لفظ کا معنی و مفہوم نفس صیغہ ہی سے سمجھ آجائے تو ظاہر کہلاتا ہے، جب کہ اگر لفظ کا معنی واضح بھی ہو اور وہ کلام کا مقصود بھی ہو، اسے "نص" کہا جاتا ہے۔ مزید بر آں اگر لفظ اپنے معنی پر دلالت میں اتنا واضح ہو کہ اس میں تاویل اور تخصیص کا احتمال ہی نہ رہے تو وہ "مفسّر" بن جاتا ہے اور جب لفظ وضاحت کے اس درجے پہ پہنچ جائے کہ اس میں تاویل، تخصیص اور نسخ کے احتمالات یکسر معدوم ہو جائیں تو اسے "محکم" کہا جاتا ہے۔[۵] اس کے برعکس جہاں تک لفظ کے معنی و مفہوم پر دلالت میں خفا کا تعلق ہے تو:

اگر خفا صیغے کے بجائے کسی خارجی عامل کی وجہ سے ہو، اسے "خفی" کہا جاتا ہے، جب کہ نفس صیغہ کی وجہ سے خفا کی صورت میں اسے دیکھا جائے گا کہ اس کے معنی پر اطلاع محض تامل سے ممکن ہے یا نہیں، اگر محض غور و فکر سے اس کا مفہوم واضح ہو سکتا ہو تو اسے "مشکل" کہا جائے گا، لیکن اگر اس کی توضیح کے لیے شارع کی طرف سے بیان کی ضرورت پڑ جائے تو وہ "مجمل" کہلائے گا، البتہ خفا اگر اس حد تک پہنچ جائے کہ شارع کی طرف سے اس کی وضاحت کی امید نہ رہے تو اس پر "متشابہ" کا اطلاق ہو گا۔[۶]

مذکورہ بالا تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ محکم اور متشابہ بالترتیب وضوح اور خفا کے حوالے سے اپنے اپنے اعتبارات میں آخری درجات ہیں؛ کیوں کہ لفظ جب محکم کی شکل اختیار کرتا ہے تو اس میں مزید کسی وضاحت کی گنجائش نہیں رہتی، اس کے مقابلے میں متشابہ لفظ کے غیر واضح ہونے کا وہ درجہ ہے جس کی بابت وضاحت کی کوئی بھی شکل باقی نہیں رہ جاتی۔ جیسا کہ امام دبوسی اور دیگر فقہاے اصولیین نے اس کی وضاحت کی ہے، کہ: "وأما المتشابه فحكمه: التوقف أبداً على اعتقاد الحقيقة للمراد به فيكون العبد به مبتلى بنفس الإعتقاد لا غير." [۷] (جہاں تک متشابہ کا تعلق ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد کے اعتقاد پر ہمیشہ توقف

۵۔ مسعود بن عمر التفتازانی، **شرح التلويح على التوضيح** (بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۱۶ھ)، ۱: ۲۳۲۔

۶۔ نفس مرجع۔

۷۔ عبد اللہ بن عمر الدبوسي، **تقويم الأدلة** (بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۲۱ھ)، ۱: ۱۱۸؛ محمد بن احمد السرخسی، **أصول السرخسي** (بيروت: دار المعرفة، س ن)، ۱: ۱۶۹؛ عبد العزیز بن احمد البخاری الحنفی، **كشف الأسرار شرح أصول البزدوي** (دار الكتاب الإسلامي، س ن)، ۱: ۲۸؛ محمد بن حمزہ بن محمد الرومی، **فصول البدائع في أصول الشرائع** (بيروت: دار الكتب العلمية، ۲۰۰۶ء)، ۱: ۹۹۔ اس بابت صاحب **التقرير والتحبير** نے بیان کیا ہے کہ احناف اصولیین کے اس موقف کے قائلین اکثر صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، اہل سنت کے متقدمین اہل علم، جن

کیا جائے گا چناں چہ بندہ صرف اس کے اعتقاد ہی سے مبتلی بہ ہو گا۔) اس لیے اصولیین کے ہاں متشابہ الفاظ احکام سے متعلق نصوص سے خارج ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ احکام کا تعلق عملی زندگی سے ہے، جس میں نص پر عمل تب ہی ممکن ہو گا جب وہ یا تو خود واضح ہو یا اس کی وضاحت کا امکان پایا جاتا ہو۔

منہجِ متکلمین

اس کے مقابلے میں منہج متکلمین سے وابستہ اصولیین کے موقف کا جہاں تک تعلق ہے تو ان کے ہاں محکم کا مفہوم وہی ہے جو فقہا کے ہاں معروف ہے،[۸] البتہ متشابہ کے مفہوم میں ان حضرات کا مؤقف یکسر بدل جاتا ہے۔ چناں چہ ان کے ہاں متشابہ وہ لفظ ہے جس کا مفہوم واضح نہ ہو لیکن اس کی وضاحت کا امکان موجود ہو، جیسا کہ **المحصول** میں لکھا ہے کہ "مَا افْتقر إِلَى غَيره مِمَّا فِيهِ شُبْهَة مِنْهُ "[۹](جو لفظ اپنے معنی کی وضاحت

میں سے حنفی اور شافعی بھی تھے، اسی طرح قاضی ابو زید، فخر الاسلام، شمس الائمہ اور متاخرین کی ایک جماعت شامل ہیں، البتہ فخر الاسلام بزدوی اور شمس الائمہ السرخسی نے جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، جب کہ متاخرین اصولیین میں سے اکثر کی رائے یہ ہے کہ راسخین فی العلم بھی متشابہ کے مفہوم پر مطلع ہوتے ہیں، ملاحظہ کیجیے: محمد بن محمد المعروف بابن امیر حاج، **التقریر والتحبیر علی تحریر الکمال بن الھمام** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۳ھ)، ۱: ۱۶۲۔ اس بابت فقہاے اصولیین میں سے امام ابو بکر الجصاص کا میلان منہج متکلمین کی طرف ہے، چناں چہ **الفصول** میں ان کی تصریح یہ ہے کہ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا کر اس کا مفہوم متعین کیا جا سکتا ہے، اس لیے ان کے ہاں محکم کا معنی وسعت کا حامل ہے اور مشترک وغیرہ بھی متشابہ میں شامل ہیں، چناں چہ ان کے ہاں محکم اصل ہے اور متشابہ فرع ہے، اس لیے متشابہ کی وضاحت اور بیان محکم کے ذریعے ہی ہو گا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: احمد بن علی ابو بکر الجصاص، **الفصول في الأصول** (کویت: وزارۃ الأوقاف الکویتیۃ، ۱۴۱۴ھ) ۱: ۳۷۴۔

۸۔ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے محکم کے دو اطلاقات ذکر کیے ہیں، اس کا ایک اطلاق باعتبار خاص ناسخ و منسوخ کے ذیل میں ہے چناں چہ جو آیت ناسخ ہو اسے محکم کہا جاتا ہے، جب کہ دوسرا اطلاق باعتبار عام خفی کے مقابلے میں وضوح اور بیان پر ہوتا ہے (تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: ابراہیم بن موسی الشاطبی، **الموافقات** (قاہرہ: دار ابن عفان، ۱۴۱۷ھ)، ۳: ۱۰۵۔) فنی اعتبار سے اس کا دوسرا معنی اصول فقہ کے علما کے ہاں متداول ہے، اس لیے اس مقالے میں اس کو فنی اعتبار سے ہی زیر بحث لایا گیا ہے۔

۹۔ محمد بن عبد اللہ بن العربی، **المحصول** (عمان: دار البیارق، ۱۴۲۰ھ)، ۸۶۔

میں کسی اور کی طرف محتاج ہو۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی وضاحت ممکن ہے اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے متشابہ کی وضاحت کرتے ہوئے اسے محکم کے مقابل قرار دینے سے انکار کیا ہے چناں چہ ان کے بہ قول محکم ومتشابہ کے مفاہیم میں دو طرح کے احتمال پائے جاتے ہیں۔

پہلے احتمال کے مطابق محکم وہ لفظ کہلائے گا جس میں کسی قسم کا اشکال اور احتمال نہیں جب کہ متشابہ میں احتمال اور اشکال ہو گا، دوسرا احتمال یہ ہے کہ محکم وہ لفظ ہو جس کی تنظیم وترتیب اتنی دل کش انداز سے ہوئی ہو جس کی وجہ سے اس میں تناقض اور اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے، اس مفہوم کے مطابق محکم کے مقابلے میں فاسد اور مُبہج آئے گا نہ کہ متشابہ، لہٰذا متشابہ کا اطلاق حروف مقطعات، لفظ مشترک، صفات باری تعالیٰ وغیرہ پر ہو گا۔[۱۰]

مذکورہ بالا دونوں جوانب میں سے اول الذکر مفہوم کا منہج فقہا کے ساتھ متشابہ کے بہ طور اصطلاح استعمال میں کوئی مطابقت نہیں رکھتا؛ جب کہ دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے متشابہ اگرچہ مراد کے اعتبار سے فقہا کے ذکر کردہ مفہوم کے مطابق ہے لیکن چوں کہ اسے محکم کے مقابلے میں تقسیم کے اعتبار سے نہیں لایا جارہا اس لیے مطابقت نہیں پائی جارہی۔

مفسرین اصولیین کا موقف

مفسرین اصولیین کے ہاں متشابہ کا مفہوم قابل ادراک ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے **الفوز الکبیر** میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> متشابہ وہ لفظ ہے جو دو معانی کا احتمال رکھتا ہو۔ یہ احتمال یا تو کسی سبب کی وجہ سے ہو گا جیسا کہ کسی جملے میں ضمیر کا دو مرجع کی طرف راجع ہونا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لفظ مشترک ہو جس طرح کہ ”لامستم“ کا لفظ چھونے اور جماع دونوں پر دلالت کا احتمال رکھتا ہے اسی طرح عطف کا قریب اور بعید دونوں کی طرف معطوف ہونے کی صورت ہے یا جہاں عطف اور استیناف دونوں کا احتمال ہو تو یہ سب صورتیں متشابہ میں داخل ہیں۔[۱۱]

۱۰۔ محمد بن محمد الغزالی، **المستصفی** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۳ھ)، ۱: ۸۵۔

۱۱۔ احمد بن عبد الرحیم، **الفوز الکبیر** (قاہرہ: دار الصحوۃ، ۱۴۰۷ھ)، ۱۳۱۔

اس وضاحت کی رو سے جہاں ایک طرف متشابہ کا دائرہ وسعت اختیار کرتا ہے تو دوسری طرف اس کا قابل تاویل یا قابل ادراک ہونا لازمی ہو جاتا ہے جو کہ منہج فقہا کے بالکل مخالف ہے۔(١٢)

متشابہ کی یہی تفسیر متقدمین مفسرین سے بھی مروی ہے کہ:

حضرت مجاہد، عکرمہ اور یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہم کی رائے کے مطابق محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جس میں حلال و حرام اور اوامر و نواہی بیان کیے گئے ہوں؛ جب کہ متشابہ میں سے بعض بعض کی تصدیق کرتے ہیں۔(١٣)

یہی موقف متشابہ کے حوالے سے فقہاے احناف میں سے علامہ جصّاص نے بھی اختیار کیا ہے کہ:

"متشابہ کا معنی اور مصداق متعین کرنے کے لیے اسے محکمات کے تناظر میں دیکھا جائے گا نہ کہ اپنے عقلی گھوڑے دوڑائے جائیں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور ایسے لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہونے کی نشان دہی فرمائی۔"(١٤)

متشابہ کے معنی میں سبب اختلاف

متشابہ کے مفہوم میں اس کے قابل ادراک ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف کی بنیادی وجہ قرآن کریم کی آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے؛ چناں چہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

﴿هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾(١٥)

١٢- مفسرین حضرات میں سے بعض متشابہ کو مختلف اقسام میں تقسیم کرتے ہیں، کہ متشابہ یا تو بالکلیہ عدم ادراک کا حامل ہو گا، یا اس کا ادراک کسی خارجی عامل کی وجہ سے ممکن ہو گا، یا اس پر صرف راسخین فی العلم ہی مطلع ہو سکتے ہیں وغیرہ، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حسین بن محمد الراغب الاصفہانی، **مفردات القرآن** (بیروت: دار القلم، ١٤٣٠ھ)، ٤٤٤؛ محمد عبد العظیم الزرقانی، **مناهل العرفان** (مصر: عيسي البابي الحلبي، ١٣٦٧ھ)، ٢: ٢٨٢۔

١٣- مکی بن ابی طالب القیروانی، **الهداية إلى بلوغ النهاية** (ابوظہبی: جامعة الشارقة، ١٤٢٩ھ)، ٢: ٩٥١۔

١٤- احمد بن علی الجصّاص، **أحكام القرآن** (بيروت: دار الكتب العلمية، ١٤١٥ھ)، ١: ١٨٨۔

١٥- القرآن، ٠٣: ٠٧۔

(اے رسول ﷺ) وہی اللہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں جن پر کتاب کی اصل بنیاد ہے اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔ اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور ان آیتوں کی تاویلات تلاش کریں، حالاں کہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ: ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے) سب کچھ ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے، اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

محکم اور متشابہ کے بارے میں قرآن کریم کی دو اور آیات کریمہ سے مختلف مفاہیم مترشح ہوتے ہیں، جس پر بہ ظاہر تعارض کا گمان ہوتا ہے ان آیات میں سے پہلی آیت یہ ہے کہ ﴿الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾[16] (الر، یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتوں کو (دلائل سے) مضبوط کیا گیا ہے، پھر ایک ایسی ذات کی طرف سے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو حکمت کی مالک اور ہر بات سے باخبر ہے۔)

اس آیت کریمہ سے یہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی تمام آیات محکمات کی قبیل سے ہیں اور ان میں کوئی متشابہ نہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾[17] (اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، جس کی باتیں بار بار دہرائی گئی ہیں۔)

ان آیات کریمات میں سورہ ہود والی آیت کی دلالت مکمل محکم ہونے پر ہے؛ جب کہ سورہ زمر والی آیت مکمل متشابہ ہونے سے متعلق ہے۔ ان دو آیات کے برعکس سورہ آل عمران کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ بعض آیات متشابہ ہیں اور بعض محکم ہیں۔ لیکن ان میں تعارض واقع نہیں ہوتا، بایں ہمہ کہ جہاں مکمل محکم ہونے کا حکم لگایا گیا ہے اس سے مراد دلائل کی مضبوطی ہے، جب کہ جہاں متشابہ کی بات ہے اس سے مراد اصطلاحی تشابہ نہیں بلکہ ان آیات کا باہم ملتے جلتے ہونا ہے، یہی معنی صاحب **مفاتیح الغیب** نے اختیار کیا ہے کہ ایک تو اس کی آیات باہم ملتی جلتی ہیں اور ان میں سے بعض بعض کی تصدیق کرتی ہیں۔[18] جب کہ **معالم التنزیل** میں اس تعارض کو یوں رفع کیا گیا ہے نحُيثُ ُجعَلَ َالكُلَّ محكُمًا، أَرَادَ أَنَّ الكُلَّ حَقٌّ لَيْسَ فِيهِ عَبَثٌ وَلَا

۱۶- القرآن، ۱۱: ۰۱۔

۱۷- القرآن، ۳۹: ۲۳۔

۱۸- محمد بن عمر الرازی، **مفاتیح الغیب** (بیروت: دار إحیا التراث العربي، ۱۴۲۰ھ)، ۷: ۱۳۸۔

هَزْلٌ، وَحَيْثُ جعَلَ الكُلَّ مُتَشَابِهًا أَرَادَ أَنَّ بَعْضَهُ يُشْبِهُ بَعْضًا فِي الْحَقِّ وَالصِّدْقِ وَفِي الْحُسْنِ."[۱۹] (بالکلیہ محکم قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن مکمل طور پر حق اور سچ پر مبنی ہے اس میں کوئی بھی بے فائدہ اور مزاح پر مبنی بات نہیں، اور متشابہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کا بعض بعض کے ساتھ سچائی پر مبنی ہونے اور حسن کلام کی صفت سے متصف ہونے میں ملتا جلتا ہے۔)

جہاں تک اس آیت کریمہ کا تعلق ہے جس میں بعض کو متشابہ اور بعض کو محکم قرار دیا گیا ہے اس سے متعلق مختلف آرا پائی جاتی ہیں اور اس سے متعلق عہد صحابہؓ سے اختلاف چلا آرہا ہے؛ کیوں کہ "وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ" کی تلاوت میں عطف اور عدم عطف کی وجہ سے مفہوم مختلف ہو جاتا ہے، چناں چہ اگر اس پر وقف کر کے بعد کے جملے کو مستقل جملہ مانا جائے اور اسے معطوف و معطوف علیہ نہ مانا جائے، تو اس کا مفہوم یوں ہو گا: اس کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور راسخون في العلم اس پر ایمان لا کر کہتے ہیں کہ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے؛ کیوں کہ اس سے ماقبل میں ان لوگوں کی مذمت مذکور ہے جو اس پر ایمان لانے کے بجائے اس کی تاویلات ڈھونڈتے ہیں۔

اگر یہاں معطوف و معطوف علیہ مان کر دوسرے جملے کو مستقل جملہ تسلیم نہ کیا جائے تو اس کا مفہوم یوں بنے گا: اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا مگر اللہ اور راسخون في العلم بھی جانتے ہیں اس لیے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایمان لایا اور یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

جو حضرات عطف اور جمع کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ واؤ کی حقیقت جمع کی ہے اس لیے حقیقت سے مجاز کی طرف جانے کے لیے کوئی قرینہ یا دلیل ضروری ہے اور اس آیت میں کوئی ایسی دلیل یا وجہ نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے حقیقت سے مجاز کی طرف عدول کیا جائے مزید برآں لغتِ عربی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ واؤ جمع کے لیے ہو جس کے لیے بہ طور استشہاد وہ قرآن کریم کی مختلف آیات ذکر کرتے ہیں مثلاً ﴿يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾[۲۰] اس میں واؤ دونوں جملوں کو جمع کر رہا ہے مزید برآں فيئ[۲۱] سے متعلق

۱۹- ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی، **معالم التنزيل** (رياض: دار طيبة للنشر والتوزيع، ۱۴۱۷ھ)، ۲: ۸۔

۲۰- القرآن، ۵۹: ۱۰

۲۱- فيئ سے مراد وہ مال غنیمت ہے جو بغیر کسی جنگ و جدل کے نتیجے میں مسلمانوں کو مل جائے یا کافر ملک کی طرف سے بیت المال کو بہ طور صلح دیا جائے۔ دیکھیے: ابو بکر بن مسعود الکاسانی، **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع** (بيروت: دار الكتب

آیات میں ﴿لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَاَمۡوَالِهِمۡ يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا﴾ اور اس کے بعد وَالَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ [۲۲] میں واوَ ماقبل ومابعد کو جمع کر رہا ہے اور دونوں قسم کے لوگ مستحقین فیئ میں شامل ہیں۔[۲۳]

تفسیر مظہری میں اس بابت ایک نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے درمیان متشابہات ایک راز ہیں، عام لوگوں کو اس کے بارے میں بتانا مقصود ہی نہیں بلکہ ان کے لیے متشابہات کا علم ممکن ہی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعض کامل امتیوں کو ہی بتانا مقصود ہے اور اخص الخواص حضرات ہی علم لدنی کے ذریعے سے ان سے واقف ہوتے ہیں، جب کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ اس لیے ضروری ہے کہ اللہ جل شانہ نے خود آپ کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ ؛إن علينا بيانه، چناں چہ قرآن کی تمام آیات سے متعلق علم اس وعدے کی رو سے حضور اکرم ﷺ کو اللہ جل شانہ کی طرف سے عطا کیا گیا۔[۲۴]

اس کے برعکس وہ حضرات جو عطف اور جمع کے قائل نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کی تفسیر وتاویل پر مطلع ہونا ممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ راسخين في العلم کے ان متشابہات پر ایمان لانے کو نہ سراہتے، چناں چہ ان کے اس فعل کو سراہنا اور اس کی تاویل کی کھوج میں لگے رہنے والوں کی مذمت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سوائے اللہ کے اس کا مفہوم کوئی نہیں جان سکتا، کیوں کہ اگر ایک شخص جان کر ایمان لائے تو وہ اگرچہ مستحسن عمل ہے لیکن اس پر تعریف نہیں کی جاتی، اصل میں اطاعت بلا علم ہی قابل تعریف ہے۔ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی اس بابت یہ دلیل زیادہ قوی ہے کہ اللہ جل شانہ جب ایک چیز یا وصف کی مخلوق سے نفی کر کے اپنے ساتھ خاص فرماتا ہے تو پھر اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہوتا یہ سنت اللہ کے خلاف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے: ﴿قُلۡ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَيۡبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾[۲۵] اس آیت کریمہ میں علم غیب کی نفی کی گئی اور اس میں اللہ

العلمية،۱۴۰۶ھ)،۷: ۱۱۶۔

۲۲- القرآن، ۵۹: ۱۰۔

۲۳- الجصّاص، أحكام القرآن،۲: ۷۔

۲۴- ثناءاللہ پانی پتی، تفسير مظهري، مترجم، عبدالدائم الجلالی (کراچی: دارالاشاعت،۲۰۱۰ء)،۲: ۱۲۳۔

۲۵- القرآن، ۲۷: ۶۵۔

کا کوئی شریک نہیں اسی طرح ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ [۲۶] چناں چہ ان صفات میں اللہ جل شانہ کا کوئی ہمسر نہیں جس کی تمام مخلوق سے نفی کی گئی یہی صورت متشابہ کی تفسیر سے متعلق زیر بحث آیت کریمہ میں بھی ہے اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی حقیقت پر کوئی اور مطلع ہو سکے۔ [۲۷]

مزید بر آں اللہ جل شانہ کا اسی ارشاد مبارک میں ان کی طرف یوں بیان فرمانا کہ ﴿كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا﴾ اس کا مطلب کیا ہے؟ اس بابت صاحب **معانی القرآن** نے لکھا ہے کہ: "ويدل على أن الأمر الذي اشتبه عليهم لم يتدبروه". [۲۸]

جب راسخین في العلم متشابہ کے مفہوم کے تعین میں خود کو عاجز پاتے ہیں تو یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنے عجز کے اظہار کے طور پر کہتے ہیں کہ ہم نے ایمان لایا اور یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

آیت کریمہ کا سیاق وسباق بھی یہی بتا رہا ہے کہ متشابہات کے ذریعے دراصل آزمائش مقصود ہے اور یہ تب ثابت ہوگا جب اس کا معنی ومفہوم مخلوق کی نظر سے اوجھل رہے۔

آیت کی تفسیر کے بارے میں عہد صحابہؓ ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے؛ چناں چہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ متشابہات وہ آیات ہیں جس کا عقلی طور پر ادراک ممکن نہ ہو اور اللہ کے سوا اسے کوئی بھی نہ جانتا ہو۔ [۲۹]

اس کی تائید جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک سے ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں سے بچو جو اس طرح کے متشابہات کی تاویلیں کرنے اور اس کے مفاہیم کو اپنی عقل کے بل بوتے پر حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چناں چہ **مسند احمد** میں روایت کے الفاظ ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: "فَإِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِيهِ، فَهُمُ الَّذِينَ عَنَى اللهُ عَزَّ وَجَلَّ، فَاحْذَرُوهُمْ" [۳۰] (جو لوگ ان متشابہ آیات کے

۲۶- القرآن، ۲۸: ۸۸۔

۲۷- محمد بن احمد القرطبی، **الجامع لأحكام القرآن** (قاہرہ: دار الکتب المصریۃ، ۱۳۸۴ھ)، ۴: ۱۶۔

۲۸- ابراہیم بن السری الزجاج، **معاني القرآن وإعرابه** (بیروت: عالم الکتب، ۱۴۰۸ھ)، ۱: ۳۷۹۔

۲۹- منصور بن محمد السمعانی، **تفسير القرآن** (ریاض: دار الوطن، ۱۴۱۸ھ)، ۱: ۲۹۴۔

۳۰- احمد بن حنبل، **مسند أحمد بن حنبل** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۴۲۱ھ)، ۴۰: ۲۵۵۔

مفاہیم کے تعین میں باہم جدل وجدال میں مصروف ہوں یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے فتنے کے متلاشی قرار دیا ہے چناں چہ ان سے خود کو بچائے رکھو۔)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”ومتشابه لا يعلمه إلاَّ الله تعالى، فمن ادعى علمه سوى الله عزَّ وجلَّ فهو كاذب“[۳۱] (اور متشابہ وہ ہے جس کا معنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لیے اگر کوئی اس بات کا دعوی کرے کہ اسے بھی اس کا علم ہے تو وہ جھوٹا ہے۔)

اسی طرح تفسیر ابن ابی زمنین میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ قرآن کی آیات کی چار قسمیں ہیں ایک قسم کا تعلق حلال و حرام سے ہے جو واضح ہے اور اس میں جہل کی گنجائش نہیں دوسری قسم جس کی تفسیر علما ہی جانتے ہیں تیسری قسم کا تعلق اہل لسان اور لغت سے ہے جب کہ آخری قسم وہ ہے جس کی تفسیر اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ متشابہ ہے۔[۳۲]

جب کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف ہے کہ اس سے مراد منسوخ احکام ہیں جب کہ محکم سے مراد ناسخ نصوص ہیں۔[۳۳]

متشابہ ذکر کرنے کی حکمت

جہاں تک متشابہ ذکر کرنے کی حکمت ہے تو صاحب **کشاف** نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ اگر تمام آیات محکمات کی قبیل سے ہوتیں تو لوگ قرآن کریم میں غور وفکر چھوڑ دیتے جس کی وجہ سے وہ اللہ کی معرفت اور اس کی وحدانیت کو پہچاننے سے محروم رہ جاتے، مزید برآں متشابہ آیات کی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ کھوٹا کھرے سے الگ ہو جائے اور اصحاب ایمان کا پختہ یقین واضح ہو جائے جب کہ گم راہوں کی گم راہی کا راز بھی کھل جائے۔[۳۴] **ارشاد الفحول** میں ہے کہ متشابہ آیات پر عمل نہ ہونا اس وجہ سے

۳۱۔ سہل بن عبد اللہ التستری، **تفسیر التستری** (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۲۳ھ) ۴۶۔

۳۲۔ محمد بن عبد اللہ بن ابی زمنین المالکی، **تفسیر القرآن العزیز** (مصر: الفاروق الحدیثة، ۱۴۲۳ھ)، ۱: ۲۷۶۔

۳۳۔ القرطبی، **الجامع لأحکام القرآن**، ۴: ۱۰۔

۳۴۔ محمود بن عمرو الزمخشری، **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل** (بیروت: دار الکتاب العربي، ۱۴۰۷ھ)، ۲: ۳۳۸۔

نہیں کہ اس کا کوئی معنی نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس کا معنی و مفہوم کا ادراک ہماری عقل سے ماورا ہے اس لیے ان کی بابت اللہ جل شانہ کی مراد پر مطلع ہونا انسان کے بس میں نہیں، لہٰذا اس کے مفہوم کو تلاش کرنا اور اپنی رائے قائم کرنا جائز نہیں جیسا کہ سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات ہیں۔ ان کا علم صرف اللہ ہی جانتا ہے اور اگر کوئی اپنے تئیں اس کا مرادی معنی متعین کرنے کی کوشش کرے گا تو یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف ایسی بات منسوب کرنے کے مترادف ہے جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد نہیں فرمائی اس لیے قابل مواخذہ ہو گا۔[۳۵]

لہٰذا انسان کو اپنی کم علمی کا اعتراف اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت اور لامتناہی علم کے آگے سر جھکا کر اطاعت اور فرماں برداری اختیار کرنی چاہیے کیوں کہ انسان چاہے جتنی بھی محنت کرے اور علمی وسعت کا حامل بنے لیکن خالق کے علم کے سامنے اس کا علم ذرہ برابر نہیں؛ چناں چہ صاحب توضیح نے اس کی عمدہ تعبیر ان الفاظ میں فرمائی ہے: "اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْإِدْرَاكِ إِدْرَاكٌ"[۳۶] (کہ بسا اوقات عدم علم بھی علم کو مستلزم ہوتا ہے۔)

اسی حقیقت کا اعتراف انسان کو جہاں اللہ جل شانہ کی بڑائی کا قائل کرتا ہے وہاں اس کے علمی جلالت شان میں بھی اضافے کا باعث بنتا ہے۔

اختلاف کے اثرات

مذکورہ بالا دونوں طرح کی آرا کے مطالعے کے بعد ان کے عملی اثرات کیا مرتب ہوں گے اور فروعی مسائل کے استنباط میں ان کی رعایت رکھنے سے احکام میں کہاں تک فرق پڑتا ہے؛ اس کی کچھ مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

محکمات

محکم کے مفہوم میں متکلمین اور فقہا کے اختلاف کی وجہ سے تفہیم نص پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان میں سے ایک اثر وجوہات ترجیح کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے؛ چناں چہ فقہا کے ہاں اگر ظاہر اور نص میں تعارض پایا جائے تو نص کو ترجیح دی جائے گی۔ اسی طرح نص اور مفسر میں باہم تعارض کی صورت میں مفسر کو، اور مفسر اور محکم میں، محکم کو ترجیح دی جائے گی؛ جب کہ متکلمین اصولیین کے ہاں چوں کہ محکم کا اطلاق ان تمام صورتوں میں

۳۵۔ محمد بن علی الشوکانی، **إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول** (بیروت: دارالکتاب العربی،۱۴۱۹ھ)، ۱: ۹۱۔

۳۶۔ التفتازانی، **شرح التلويح على التوضيح**،۱: ۲۴۶۔

یکساں ہوتا ہے اس لیے ترجیح کے لیے ان کے ہاں کوئی ٹھوس اصول نہیں پایا جاتا۔

محکم کی مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[۳۷] (بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اس آیت کریمہ میں تاویل و تخصیص اور نسخ کا احتمال نہیں۔

اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ: "وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِي اللّٰهُ إِلَى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ أُمَّتِي الدَّجَّالَ"[۳۸] (جہاد میری بعثت سے لے کر اس وقت تک جاری رہے گا جب تک میرا آخری امتی دجال سے لڑے۔)

اس روایت کے الفاظ سے عدم نسخ کا مفہوم مترشح ہوتا ہے اس لیے یہ محکمات کے قبیل سے ہے۔

متشابہات

محکم کی طرح خفا کی صورت میں بھی متکلمین اور فقہا استنباط احکام میں واقع تعارض رفع کرنے میں مختلف الرائے ہیں، چناں چہ فقہا کے ہاں خفی اور مشکل کے تعارض کی صورت میں خفی کو ترجیح دی جائے گی اور مشکل و مجمل میں مشکل کو اور مجمل و متشابہ میں مجمل کو مقدم رکھا جائے گا تاکہ خفا کو کم از کم رکھا جائے۔ اس کے برعکس متکلمین کے ہاں خفی اور مجمل ہی ہے۔

اللہ جل شانہ نے طلاق کے بعد عدت کی مدت تین "قروء" مقرر کی ہے اس بابت ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾[۳۹] (اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو وہ تین مرتبہ حیض آنے تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔)

اس آیت میں لفظ قروء حیض اور طہر دونوں معنی میں مشترک ہے اس لیے متکلمین اصولیین اور مفسرین کے ہاں یہ متشابہ ہے کیوں کہ ان کے نزدیک مشترک الفاظ متشابہات میں شامل ہیں؛ جب کہ فقہاے اصولیین کے ہاں لفظ قروء متشابہ کی تعریف میں داخل ہی نہیں ہے بلکہ یہ لفظ مشترک ہے جو کہ بعد از اجتہاد مؤول بن چکا ہے۔

اسی طرح ایک اور مثال: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ﴾[۴۰] (اور اپنے سروں پر مسح کرو اور

۳۷- القرآن، ۱۰: ۳۱۔

۳۸- سعید بن منصور، سنن سعید بن منصور (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۸۵ھ)، ۹: ۱۵۶۔

۳۹- القرآن، ۲: ۲۲۸۔

۴۰- القرآن، ۵: ۶۔

پاؤں کو دھوؤ۔)

اس آیت میں واؤ کا قریب یا بعید کے معطوف علیہ پر عطف کا احتمال پایا جاتا ہے اس وجہ سے اگر عطف قریب پر کیا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ پاؤں پر بھی مسح کیا جائے جس طرح سر کا حکم مسح ہے اور اگر عطف بعید کیا جائے تو پھر سر اور پاؤں کا حکم باہم مغایرت پر مبنی ہو گا لہذا سر پر مسح کیا جائے گا اور پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے جائیں گے۔ اس لیے یہ آیت جمہور اصولیین اور مفسرین کے ہاں متشابہ ہے؛ کیوں کہ معنی مرادی متعین کرنے کے لیے ہمیں اسی موضوع کی بابت محکمات کی طرف رجوع لازمی ہے۔

فروعی مسائل میں فقہاے اصولیین کے موقف کے مطابق متشابہ کا وجود ممکن ہی نہیں گویا کہ حکم شرعی کے حوالے سے شارع کے خطاب میں متشابہ داخل ہی نہیں بلکہ ان کا تعلق ان امور سے ہے جو اعتقاد، اخلاقیات اور دیگر نظری تصورات پر مبنی ہوں۔

متکلمین میں سے صاحب موافقات نے متشابہ کی تقسیم کی ہے کہ ایک متشابہ حقیقی ہے اور دوسرا اضافی ہے۔ حقیقی سے مراد وہ ہے جس میں تشابہ ذاتی طور پر پایا جائے اور اس کا معنی و مفہوم سامنے آسکے سوائے اس کے کہ اس پر ایمان لایا جائے، جب کہ اضافی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تشابہ کسی خارجی عامل کا نتیجہ ہو اور مکلف اپنی جہالت کی وجہ سے اس کے فہم میں غلطی کرے یا اتباع نفس کی بنا پر اس کا غلط مفہوم اخذ کرے۔[۴۱]

اس تقسیم کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ تشابہ کا وجود بہ ہر صورت موجود ہے چاہے اس کا تعلق فقہا کے اصول سے ہے یا متکلمین اور مفسرین اصولیین کی رائے پر مبنی ہے۔

نتیجہ اختلاف

منہج فقہا اور متکلمین و مفسرین اصولیین کے اس اصولی اختلاف کا نتیجہ نظری طور پر یوں مرتب ہو گا کہ:
فقہا اصولیین کے ہاں محکم وہ لفظ ہے جو اپنے معنی میں اتنا واضح ہو کہ اس میں تاویل، تخصیص اور نسخ کا احتمال باقی نہ رہے، اس کے مقابلے میں متکلمین اصولیین اور مفسرین کے ہاں فقہا کی تقسیم: ظاہر، نص، مفسر سارے محکم کے مفہوم میں داخل ہیں۔

فقہا کے ہاں محکم وہ لفظ ہے جو تاویل، نسخ اور تخصیص کا متحمل نہیں ہوتا اس لیے آیات الاحکام میں

۴۱۔ الشاطبی، **الموافقات**، ۳: ۳۱۷۔

محکم نہیں پایا جاتا کیوں کہ ان آیات میں تاویل و تخصیص کے وقوع کو اگر خارج از امکان قرار دیا جائے تو احکام میں نسخ کے امکان کو بہ ہر صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

متکلمین کے ہاں مجمل کا مفہوم اعم ہونے کی بنا پر اس کا مفہوم متکلم کی طرف سے وضاحت کے علاوہ کسی اور طریقے سے بھی واضح ہونا ممکن ہے جب کہ اس کے برعکس فقہا کے مطابق مجمل کی وضاحت صرف متکلم ہی کی طرف سے ممکن ہے۔

دوسرا نتیجہ متشابہ کے مفہوم کی بابت ہے چناں چہ اس کا مرادی معنی متکلمین کے ہاں اس دنیا میں واضح ہونا ممکن قرار پاتا ہے۔ جب کہ فقہا کے ہاں متشابہ کا مفہوم تا قیامت قابلِ ادراک نہیں۔[۴۲]

تیسرا اہم نکتہ مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ سامنے آتا ہے کہ متشابہ کا وقوع متکلمین کے اصول کے مطابق احکام سے متعلق نصوص میں بھی ممکن ہے؛ کیوں کہ ان کے ہاں اس کا ادراک ممکنات میں سے تسلیم کیا جاتا ہے، اس کے برعکس فقہا کہتے ہیں کہ متشابہ کا وجود احکام سے متعلق نصوص میں ممکن نہیں، کیوں کہ احکام کا تعلق عملی زندگی سے ہے، جس پر عمل کرنا مکلف پر فرض یا واجب یا حرام یا مکروہ وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے لیکن متشابہ کے اس مفہوم کے مطابق تا قیامت ادراک پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے وہ حکم معطل رہے گا، اور یہ شریعت کے عملی احکام کے مقتضیات کے بالکل مخالف ہے۔

اصولیین متکلمین اور مفسرین کے ہاں متشابہ کا مفہوم سمجھنے کے لیے اسے محکمات کی طرف لوٹایا جائے گا کیوں کہ محکمات اصل ہیں جب کہ فقہاے اصولیین کے ہاں متشابہ ایک مستقل حیثیت کا حامل ہے۔

متکلمین اصولیین اور فقہا کے ہاں حروف مقطعات، صفات باری تعالیٰ اور مغیبات کے بارے میں اتفاق پایا جاتا ہے کہ وہ متشابہات ہیں۔

فقہاے اصولیین اور متکلمین کے ہاں محکم اور متشابہ کا تصور خالص فنی اعتبار سے بیان کیا جاتا ہے، جب کہ مفسرین کے ہاں قرآن کریم کو دو بنیادی حصوں یعنی محکمات اور متشابہات میں تقسیم کیا جاتا ہے جو اصولیین کی بہ نسبت وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ لہٰذا اس کلیدی فرق کو لکھنے، پڑھنے اور پڑھانے میں ملحوظ نظر رکھا جائے تا کہ خلط مبحث سے بچا جا سکے۔

۴۲- مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن امیر حاج، **التقریر والتحبیر علی تحریر**، ا: ۱۶۲۔

متکلمین اور مفسرین اصولیین کے موقف کو اگر مان لیا جائے تو متشابہ سے مقصود آزمائش اور ابتلا کا تحقق ممکن نہیں رہے گا کیوں کہ آزمائش تب ہی ممکن ہے جب مکلف کی سمجھ میں نہ آنے کے باوجود بھی وہ اس پر ایمان لائے اور کہے کہ یہ سب میرے رب کی طرف سے ہے۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞